آپ کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ میں تخلیق زر CREATION OF MONEY کو بنکنگ کی تاریخ کا محض ایک پرانا باب سمجھ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عمل اب بھی جاری ہے لیکن میں نے تیسرے مرحلے کی بحث میں اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ جس مدعا کی خاطر میں یہ ساری بحث کر رہا ہوں اس سے یہ چیز براہِ راست متعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں، میری بحث کا مقصد بنکنگ پر فنی گفتگو نہیں ہے بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے اس کے نقصان دہ پہلوؤں کو واضح کر کے اصلاح کی شکل پیش کرنا ہے۔

آپ کے آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ CREATION OF MONEY کی پشت پر اگر سود اور فریب نہ ہو تو اس میں کوئی حرمت کا پہلو نہیں ہے۔ اب یہ دیکھنا آپ لوگوں (یعنی اہل فن) کا کام ہے کہ معاشی ضرورت کے لئے ایک صحت مند تخلیقِ زر کا نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے جو قباحت کے پہلوؤں سے پاک ہو۔

کیا تجارتی قرضوں پر سود جائز ہے؟

سوال: جیسا جناب نے فرمایا تھا، میرے استدلال کی بنیاد دو باتوں پر ہے ایک یہ کہ ربٰو سے مراد زنا قرض کی وہی صورت لی جانی چاہیئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھی اور دوسرے یہ کہ تجارتی سود کا رواج چونکہ اس زمانے میں نہ تھا، سود کی یہ صورت قرآنی حکم تحریم میں نہیں آتی۔ جناب ان دونوں باتوں کو درست نہیں سمجھتے۔ مگر یہ دونوں جناب کی تصنیف "سود" حصہ اوّل کے صفحات ۱۴۴، ۱۴۵ کی بحث پر مبنی ہیں۔ جناب نے فرمایا۔ "قرآن جس زیادتی کو حرام قرار دیتا ہے وہ ایک خاص قسم کی زیادتی ہے۔ اس لئے وہ اسے "الربٰوا" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اہل عرب کی زبان میں اسلام سے پہلے بھی معاملہ کی ایک خاص نوعیت کو اس اصطلاحی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اور چونکہ الربٰوا ایک خاص قسم کی زیادتی کا نام ہے اور وہ معلوم و مشہور تھی۔ اس لئے قرآن مجید میں اس کی کوئی تشریح نہیں کی گئی ۔ ۔ ۔ ۔" اس کے بعد وہ روایات ہیں جن میں زمانہ جاہلیت کے ربوا کی مثالیں دی گئی ہیں اور ان کے بعد مرقوم ہے۔

کاروبار کی یہ صورتیں عرب میں رائج تھیں۔ انہیں کو اہلِ عرب اپنی زبان میں "الربوٰا" کہتے تھے اور یہی وہ چیز تھی جس کی تحریم کا حکم قرآن مجید میں نازل ہوا۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جناب کی کتاب میں اور دوسری کتابوں میں "الربوٰا" کی جو مثالیں دی ہوئی ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عرب تجارت کے لئے بھی قرض لیتے تھے اور اگر عرب میں تجارتی سود رائج نہیں تھا تو جناب کے اپنے استدلال کے مطابق "الربوٰا" میں اس کو نہیں آنا چاہیئے۔ اگر یہ نتیجہ نکالنے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو مہربانی فرما کر مجھے اس سے مطلع فرمایئے اور علمائے کرام نے بھی مانا ہے کہ "الربوٰا" سے وہی نزِ صورتیں مقصود ہیں جو ان دنوں عربوں میں متداول تھیں اور ربوٰا کے نام سے یاد کی جاتی تھیں۔

اب رہی یہ بات کہ آیا زمانہ جاہلیت کے عربوں میں تجارتی سود واقعی رائج تھا کہ نہیں۔ اس کے متعلق جناب فرما چکے ہیں کہ یہ بات صراحت کے ساتھ کسی کتاب میں نہیں لکھی گئی۔ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ ایسے سنگین معاملے میں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت سزا مقرر کی ہے قیاس پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اصل حالات معلوم کرنے چاہئیں۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ تاریخی امر ہے کہ یورپ میں پانچویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان تجارتی سود کا رواج نہ تھا۔ اس کے لیے میں جناب کی خدمت میں مختلف کتابوں کے حوالے پیش کر سکتا ہوں۔ نیز جن کتابوں تک میری رسائی ہو سکی ان سے یہ معلوم ہوا کہ ان دنوں عرب میں تجارت نجی سرمایہ سے یا مضاربت سے ہوتی تھی۔ تجارت کے جتنے تذکرے میری نظر سے گذرے ہیں ان میں کہیں تجارتی قرض کا ذکر نہیں۔ جناب کی طبیعت اور وسعت مطالعہ سے مجھے امید تھی کہ جناب میری راہنمائی کسی ایسی کتاب کی طرف فرمائیں گے جس سے اس بات کے متعلق قابلِ وثوق حالات معلوم ہو سکیں۔ لیکن یہ امید بر نہ آئی۔ جیسا میں پہلے عرض کر چکا ہوں مصنفین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ لیکن اس کا کہیں ذکر نہیں آتا کہ لوگ قرض لے کر تجارت کیا کرتے تھے۔ قریش تاجر تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سود پر روپیہ دیتے تھے۔ مگر کن کو ؟ کھجور کے کاشتکاروں کو۔ طبقہ تجار کا ایک فرد بھی اپنا سرمایہ سود پر دیتا ہے تو کاشت کاروں کو۔ کیا

اس سے یہ گمان نہ ہوگا کہ تجارتی سود ناپید تھا ؟

جناب نے دریافت فرمایا ہے کہ قرض کی بہت سی مختلف صورتوں میں سے کس کس کو تحریم ربوا کے حکم سے خارج اور کس کس کو داخل کریں گے۔ سود کی وہ صورتیں جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھیں سب ممنوع ہوں گی۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس وقت ذاتی ضروریات کے لیے اور اضطراری قسم کے قرض ہی لیے جاتے تھے اور ایسے قرض لینے والے لوگوں کو مہاجن اکثر لوٹتے تھے اور ان کو بچانا ضروری تھا اس لیے "الربوا" حرام ہوا۔ ایسے سود کی جتنی بھی مذمت کی جائے درست ہے اور اس کے مجرموں کے لیے جس قدر سخت سزا تجویز کی جائے بجا ہے۔ اس کے برخلاف ایسے قرض جن کے لینے والے نفع آور کاموں میں لگاتے ہیں ان پر سود جائز ہونا چاہیئے۔ ایسے سود دینے والے اور لینے والے دونوں کے لئے فائدہ مند ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کئی دفعہ مدیون ان کو مضاربت پر ترجیح دیتا ہے۔ مجھے یہ سمجھنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ علمائے کرام ایسے سود کو "حرب من اللہ و رسولہ" جیسی سخت سزا کا مستوجب کیوں قرار دیتے ہیں۔ کیا اسلامی فقہ کے مطابق جرم اور اس کی سزا میں کچھ مطابقت نہیں ہونی چاہیئے۔ ایسے سود پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں :۔ ایک اس سے ایسا طبقہ پیدا ہوتا ہے جو بغیر محنت و مشقت کے آمدنی وصول کرتا ہے۔ یہ اعتراض ان لوگوں پر بھی ہونے چاہئیں جن کے پاس بڑی بڑی زمینداریاں اور کئی کئی مکان ہیں اور وہ بن محنت کئے اوقات ہی نہیں بلکہ عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر اسلام ان نکھٹوؤں کو نہیں روکتا تو تجارتی سود لینے والا ہی کیوں معتوبِ عتاب ہو ؟ دوسرے یہ کہ سود لے کر تجارت کرنے والے کو چاہیئے نقصان ہو مگر سود لینے والے کو منافع ہی ملے گا۔ یہ اعتراض کچھ حد تک درست ہے لیکن اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ سود پر روپیہ تجارت کے لئے اس لئے لیا جاتا ہے کہ مدیون کو اس شرح سود سے کئی گنا زیادہ منافع کی امید ہوتی ہے اور بیشتر اوقات یہ امید پوری ہوتی ہے۔ ورنہ تجارتی قرض کو اس قدر فروغ نہ ہوتا۔ ایسے قرض دینے والے کو سالانہ ایک چھوٹی سی رقم ملتی رہتی ہے اور اس کے بدلے روپیہ لینے والا کبھی اس رقم سے کئی گنا زیادہ نفع کما لیتا ہے اور کبھی اس کو نقصان ہوتا ہے اس قسم کے خطرے

(RISK) کو قبول کرنا تجارت کا عام مسلک ہے۔ اور یہ ایسی چیز نہیں اور اس سے ایسی خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں کہ اس پر "الربوا" والی سزا لازم آوے۔ میرے خیال ناقص میں ہمیں سود کی نفع آور اور غیر نفع آور صورتوں میں تفریق کرنی چاہیے اور پہلی جائز اور دوسری ممنوع ہونی چاہیے۔

جناب نے اپنے خط میں یہ بھی فرمایا ہے "اس زمانے کے لوگوں کی نگاہ میں قرض ہر طرح کا قرض ہی تھا، خواہ نادار نے یا مالدار نے، خواہ ذاتی ضروریات کے لیے یا کاروباری ضروریات کے لیے۔" کیا جناب موخر الذکر حصہ کی حمایت میں کوئی حوالہ دے سکتے ہیں؟ کئی سو سال سے تجارتی سود تمام دنیا میں رائج ہے اور لوگوں کو اس کی عادت سی ہو گئی ہے۔ اس لیے ان کے لیے یہ مشکل ہو گیا ہے کہ اس بات کا تصور کر سکیں کہ ایک ایسا زمانہ بھی تھا جب کہ تجارتی سود ناپید تھا۔ حالانکہ تاریخی شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تجارت کی اغراض سے سود کا لین دین کم از کم مغربی ملکوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت رائج نہیں تھا۔

میں جناب کو بار بار تکلیف دے رہا ہوں۔ اس کی تین وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ عملاً لاکھوں مسلمان تجارتی سود لیتے یا دیتے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کو تجارت قائم رکھنی ہے، جس میں روز بروز مقابلہ تیز تر ہوتا جاتا ہے، تو ان کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ جناب نے اس بات کو نہیں مانا اور متبادل طریقے تجویز بھی فرمائے ہیں۔ لیکن میں بصد ادب عرض کروں گا کہ ہم لوگوں کی موجودہ ذہنی اور اخلاقی حالت میں وہ قابل عمل نہیں ہے۔ وہ اخلاقی معیار جس کی آپ کو اپنے ہم مذہبوں سے توقع ہے ایک نبی چاہتا ہے۔ اور ہمارے مذہب میں دوسرے نبی کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لیے مجھ ناچیز کے خیال میں ہمارے علمائے کرام کو چاہیے کہ مذہب کے تمدنی و معاشرتی معاملات میں ضرورت سے زیادہ سختی نہ برتیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ کو یاد رکھیں۔ مزید برآں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس چیز کو قانون منع کرے اس کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا ہے وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ تجارتی سود بعض حالات میں بعض لوگوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اکثر اوقات فائدہ مند ہی ہے۔ اور اس کا نفع اس کے نقصان سے بہت زیادہ ہے۔ اس لیے اس کی ممانعت نہ ہونی چاہیے۔

دوسرے آج کل فوجی ضروریات کے لیے اس قدر روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے کہ بوقت جنگ قرض کے بغیر چارہ

نہیں یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جسے نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

تیسری وجہ ذاتی ہے۔ میں سرکاری نوکری کے دوران میں جنرل پراویڈنٹ کے لیے روپیہ اپنی مرضی سے کٹواتا رہا۔ اس پر مجھے ایک کافی رقم سود کی ملی ہے جو میں نے نکال کر علیحدہ رکھ لی ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ سود ممنوع ہے یا جائز۔ کیا جناب میری رہنمائی فرمائیں گے؟ اگر ممنوع ہے تو اس رقم کو اب کس کام میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ کیا حاجت مندوں کی امداد پر اسے خرچ کرنا جائز ہوگا؟ اس رقم کی حرمت و حلت معلوم کرنے کے لیے مجھے جستجو کرنی پڑی۔ اس میں میں نے سود پر جتنی کتابیں ملیں پڑھ ڈالیں۔ لیکن چند نکتے صاف نہ ہو سکے۔ اور ان کو آپ کے سامنے حل کے لیے پیش کرنے کی جرأت کر چکا ہوں۔ امید ہے آپ مجھے اس تکلیف دہی کے لیے معاف فرمادیں گے۔ اطمینان قلب چاہتا ہوں۔ لیکن اس خط کے جواب کے بعد جناب کو مزید تکلیف نہ دوں گا۔

جواب:۔ بے شک میں نے یہ لکھا تھا اور اب بھی یہی کہتا ہوں کہ قرض پر جس نوعیت کی زیادتی کو عرب میں الربٰو کہا جاتا تھا، قرآن میں اسی کو حرام کیا گیا ہے۔ لیکن آپ اس بات کو جس معنی میں لے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ قرض کی جو قسمیں عرب میں اس وقت رائج تھیں، ان میں قرآن نے اصل سے زیادہ لینے کو حرام کیا ہے۔ حالانکہ میں نے، اور تمام فقہائے اسلام نے بالاتفاق، قرض کی نوعیت کا نہیں بلکہ زیادتی کی نوعیت کا استنباط کیا ہے۔

اس کو میں ایک مثال سے واضح کروں گا۔ عرب میں زمانہ نزول قرآن کے وقت اصطلاحاً لفظ خمر صرف انگور کی شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ دوسری قسم کی شرابیں جو اس زمانے میں بنتی تھیں، ان پر بھی مجازاً یہ لفظ بول دیا جاتا تھا۔ بہرحال جب قرآن میں اس کی حرمت کا حکم آیا تو کسی نے بھی اس کا یہ مطلب نہیں لیا کہ یہ حکم تحریم صرف اس قسم کی شراب یا اُن اقسام کی شرابوں کے لیے، جو عرب میں اس وقت رائج تھیں، مخصوص ہے۔ بلکہ یہ سمجھا گیا کہ ان سب میں جو ایک صفت مشترک، یعنی نشہ آور ہونے کی صفت، پائی جاتی ہے، اصل حرمت اسی کی ہے اور وہ جس قسم کی نوشیدنی یا خوردنی چیز میں پائی جائے وہ اس حکم کے تحت آتی ہے۔

اسی طرح عرب میں قرض کے معاملات کی بھی چند صورتیں رائج تھیں۔ ان سب میں یہ بات مشترک تھی کہ لین دین کی قرارداد میں اصل سے زائد ایک رقم ادا کرنا بطور شرط کے شامل ہوتا تھا اور اسی کا نام اہل عرب

'ربوا' رکھتے تھے۔ قرآن میں جب ربوا کی حرمت کا حکم آیا تو کسی نے اس کا یہ مطلب نہ لیا کہ یہ حکم انہی اقسام قرض سے متعلق ہے۔ جو عرب میں اس وقت رائج تھیں۔ بلکہ شروع سے آج تک کے تمام فقہا نے اس کا یہی مطلب لیا ہے کہ وہ زیادتی ممنوع ہے جو اصل رقم قرض پر بطور شرط عائد کی جائے قطع نظر اس کے کہ قرض کسی نوعیت کا ہو۔ اس بات کی طرف خود قرآن میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم (البقرہ — ۲۷۹) اور اگر تم توبہ کر لو تو اپنے راس المال لینے کے حقدار ہو"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راس المال سے زیادہ لینا ہی ربوا ہے۔ اور اسی کو قرآن حرام کر رہا ہے اگر قرض کی بعض خاص صورتوں ہی میں یہ زیادتی حرام کرنی مقصود ہوتی تو اشارے کنائے ہی میں یہ مقصد ظاہر کر دیا جاتا، مثلاً یہی کہہ دیا جاتا کہ حاجتمند کو قرض دے کر زیادہ نہ وصول کرو۔

آپ حاجت مند کی شرط قرآن میں نہیں پاتے بلکہ باہر سے لاتے ہیں اور یہ شرط بڑھانے کے لیے جو دلیل آپ پیش کرتے ہیں۔ اس سے بہت بڑی اصولی قباحت یہ واقع ہوتی ہے کہ ایک سود ہی نہیں۔ قرآن کے سارے احکام ان حالات و معاملات کے لئے مخصوص ہو جاتے ہیں جو عرب میں اس کے نزول کے وقت پائے جاتے تھے۔ نیز یہ استدلال کر کے آپ ایک بڑا رسک RISK بھی لیتے ہیں۔ آپ کے پاس اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرض سے تجارت نہیں کرتا تھا نہ اس امر کا کوئی ثبوت ہے کہ دوران تجارت میں بھی کوئی تاجر کبھی دوسرے تاجر یا ساہوکار سے قرض نہ لیتا تھا۔ یہ دونوں باتیں آپ نے صرف عام تاریخی بیان سے نکال لی ہیں کہ اس زمانے میں تجارت نجی سرمایہ سے یا مضاربت پر ہوا کرتی تھی اور تجارتی سود کا رواج بہت بعد میں ہوا ہے۔ حالانکہ اس طرح کے تاریخی بیانات، جو ایک عمومی کیفیت پیش کرتے ہیں، کبھی اس امر کا ثبوت نہیں ہو سکتے کہ اس زمانہ میں کوئی دوسری صورت واقع نہ ہوتی تھی۔

میں نے جو پچھلے خط میں عرض کیا تھا کہ اس زمانے کے لوگ ہر قسم کے قرض کو قرض ہی سمجھتے تھے خواہ نادار سے یا مالدار اور خواہ ذاتی ضروریات کے لیے یا کاروباری ضروریات کے لیے، یہ میرا قیاس ہے اور اس بنیاد پر ہے کہ میری نگاہ سے قدیم زمانے کی تحریروں میں کبھی قرض کی اقسام

قرض لینے والے کی حالت یا غرض کے لحاظ سے نہیں گزریں، حالانکہ انسان ہر زمانے میں قرض مختلف اغراض کے لئے لیتا رہا ہے، اور قرض لینا صرف نادار لوگوں تک کبھی محدود نہیں رہا ہے۔

اس وقت میرے لئے یہ بحث کرنا مشکل ہے کہ نفع آور اغراض کے لئے بھی قرض پر سود لینا کیوں حرام ہونا چاہیئے۔ "تفہیم القرآن" اور "سود" میں اس کے متعلق اپنے دلائل بیان بھی کر چکا ہوں۔ سردست صرف یہ عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری رائے میں پراویڈنٹ پر جو سودی رقم آپ کو ملی ہے اسے آپ اپنی ذات پر خرچ نہ کریں۔ اگر آپ کو اس کے حرام ہونے کا یقین نہیں ہے، تب بھی یہ رقم مشکوک تو ہے۔ آپ جیسا نیک دل آدمی ایک ایسی چیز سے کیوں فائدہ اٹھائے جس کے پاک ہونے کا یقین نہ ہو، خصوصاً جبکہ آپ اس کے محتاج بھی نہیں ہیں۔ بہتر یہ ہو کہ آپ اس سے ایک ایسے فنڈ کی ابتدا کریں جو حاجت مند لوگوں کو بلا سود قرض دے۔ میرا خیال یہ ہے کہ دوسرے بہت سے لوگ بھی، جن کو اس طرح کی سودی رقمیں ملی ہیں، یا آئندہ ملیں گی، اس فنڈ میں اپنی رقمیں بخوشی داخل کر دیں گے اور ایک اچھا خاصا سرمایہ اس کام کے لیے جمع ہو جائے گا۔